

کام کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ پوری دنیا میں یہی چل رہا ہے۔ مطلق العنان حکومتوں کے اقتدار میں بے رحمی اور زبردستی سے کام کروایا جاتا ہے۔ اگر آپ تعاوون نہیں کرتے تو آپ کا صفاتیا کر دیا جاتا ہے۔ یا پھر آپ کو باغیوں کے لیے بنائی گئی جیلوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ نام نہاد مہذب ممالک میں، جہاں 'میرا ملک' یا 'کسی مثالیت' کا حصہ بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے اور جس کی خوب تشریف کی جاتی ہے تاکہ آپ اسے قبول کر لیں۔ آپ کو لائق دے کر آپ سے تعاوون حاصل کیا جاتا ہے، یا پھر آپ کسی شخص کے ذریعے بنائی گئی خوابوں کی دنیا کے منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ساتھ میں کام کرتے ہیں۔

اس لیے انسان کسی منصوبے کی خیال، کسی اقتدار کے دباو میں مل کر کام کرتے ہیں اور عام طور پر اسے ہی تعاوون کہا جاتا ہے، اس میں ہمیشہ انعام یا سزا کا جذبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس تعاوون کے پیچھے ہمیشہ خوف کرا فرمائی رہتی ہے۔ آپ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کے لیے کام کرتے ہیں۔ ملک کے لیے، صوبے کے لیے، پارٹی کے لیے، خدا کے لیے، استاد کے لیے، امن کے لیے یا فلاں فلاں اصلاحات کرنے کے لیے۔ اس کے پیچھے آپ کا صرف یہی خیال ہے کہ آپ کچھ پانے کے لیے مل کر کام کر رہے ہیں۔ آپ کے سامنے ایک مثال ہے۔ کسی مثالی اسکول کو بنانے کا یاد و سرا کوئی کام کرنے کا، اور اس لیے آپ سوچتے ہیں کہ تعاوون ضروری ہے۔ اس سب میں اقتدار کا جذبہ پوشیدہ ہے۔ آپ یہ مان کر پلتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ معلوم ہے کہ صحیح کام کیا ہے اور اس لیے آپ کہہ دیتے ہیں، "ہمیں اس کام کو پورا کرنے کے لیے تعاوون کرنا ہی ہوگا"۔

یہیں اس طرح کے کام کو کسی بھی حالت میں تعاوون نہیں مانتا۔ یہ تعاوون

تعاوون اور حصہ داری

ہم کتنے ہی موضوعات اور زندگی کے کئی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے آ رہے ہیں، لیکن مسئلہ کیا ہوتا ہے، اس کے بارے میں آپ نے غور و فکر کیا ہے یا نہیں، مجھے نہیں معلوم۔ اگر مسائل کو من میں جزویں جمانے کا موقع دیا جاتا ہے تو پھر انھیں سلچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارا من ہی ان مسائل کی تخلیق کرتا ہے اور پھر وہی ان مسائل کے لیے زین فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنی جزویں وہاں جما سکیں اور ایک بار جب کوئی مسئلہ مضبوطی سے اپنی جزویں جمالیت اسے تو اسے سلچنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا من ان مسائل کے لیے بیدار ہے اور انھیں اپنی جزویں جمانے کے لیے زین فراہم نہ کرے۔

آج دنیا جن بنیادی مسائل کا سامنا کر رہی ہے، ان میں سے ایک ہے تعاوون کا مسئلہ۔ اس "تعاوون" لفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے؟ تعاوون کا مفہوم ہے مل کر کام کرنا، ہم میں کسی ایسی مساوی چیز کا ہونا تاکہ ہم ایک ساتھ مل کر آزادی سے کام کر سکیں۔ عموماً چونکہ انسان آسانی، سادگی اور خوشی سے مل کر کام کرنا نہیں چاہتے، اس لیے انھیں مختلف لائق اور انعامات کے ذریعے یا خوف، سزا یا ہمکی کے ذریعے مل کر

نہیں ہے۔ یہ تو ایک طرح کی لائچ ہے، خوف ہے، زبردستی ہے۔ اس کے پیچھے یہ دلکی ہے کہ اگر آپ نے تعاون نہیں کیا تو ملک آپ کو تسلیم نہیں کرے گا یا پیش سالہ منصوبہ ناکام ہو جائے گا یا آپ کامل جنگ میں ہار جائے گا۔ یا آپ جنت میں نہیں جا سکیں گے۔ اس طرح کے تعاون میں لائچ کا جذبہ پوشیدہ ہے اور جہاں یہ لائچ ہے وہاں حقیقی تعاون ہو یہ نہیں سکتا۔

اسی طرح اسے بھی ہم تعاون نہیں کہیں گے جب میں اور آپ بعض اس لیے کام کرتے ہیں کیونکہ ہم نے کوئی کام مل کر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس طرح کے کمی بھی سمجھوتے میں اہمیت اس خاص کام کو دی جاتی ہے، مل کر کام کرنے کو نہیں۔ آپ اور ہم کسی پل کی تعمیر کرنے کے لیے یا کوئی سڑک بنانے کے لیے یا کچھ درخت لگانے کے لیے اپنی اپنی منظوری دیتے ہیں، لیکن اس طرح کی منظوری میں ہمیشہ اختلاف کا خوف بنا رہتا ہے۔ اس بات کا خوف کہ کہیں میں اپنا حصہ پورا نہ کر پایا اور سارا کام آپ ہی کو کرنے دیا۔

اس لیے جب ہم کسی بھی قسم کی لائچ یا سمجھوتے سے کوئی کام کرتے ہیں تو وہ تعاون نہیں ہوا، کیونکہ اس طرح کے کاموں کے پیچھے کچھ پانے یا کچھ ثانے کا جذبہ موجود رہتا ہے۔

میرے لیے تعاون ایک بالکل ہی دوسری بات ہے۔ ساتھ ساتھ ہونے اور ایک ساتھ کچھ بھی کرنے کا مزہ ہی تعاون ہے؛ یہاں یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص کام ہی کیا جاتے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ چھوٹے چھوٹے بچوں میں اکثر مل کر رہنے اور کام کرنے جا جذبہ ہوتا ہے۔ کیا آپ نے یہ محسوس نہیں کیا ہے؟ وہ کسی بھی چیز میں تعاون کریں گے۔ ان کے لیے منظوری یا اختلاف رائے، انعام یا سزا کا سوال

ہی نہیں اٹھتا۔ وہ بس تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ساتھ میں رہنے اور کچھ کرنے کی خوشی کے لیے عادتاً تعاون کرتے ہیں، لیکن بڑے لوگ یہ کہہ کر، اگر تم یہ کرو گے تو میں تمھیں وہ چیز دوں گا، اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں تمھیں سینما نہیں جانے دوں گا۔ بچوں کی اس فطری اور سادہ تعاون کے جذبے کو ہی برباد کر دیتے ہیں اور اس طرح ان میں مسموم اجزا اکو داٹل کر دیتے ہیں۔

اس لیے کسی منصوبے کو پورا کرنے کے مقصد سے ساتھ مل کر کام کرنا حقیقت میں تعاون ہے، ہی نہیں۔ حقیقی تعاون تو اس وقت ہوتا ہے جب آپ ایک ساتھ ہونے کی خوشی کو، دوستی کے جذبے کو، اگر میں اس لفظ کا استعمال کر سکوں تو، گھرائی سے محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جذبے میں کسی طرح کا شخصی تفکر یا بخی منظوری کا اصرار نہیں ہوتا۔ جب آپ اس قسم کے تعاون کو سمجھ لیں گے تو آپ یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ آپ کو تعاون کب کرنا ہے، جو کہ اتنا ہی اہم ہے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ ہم سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے میں اس طرح کے تعاون کے جذبے کو بیدار کریں کیونکہ تبھی تعاون ہمارے لیے صرف ایک منصوبہ یا ایک سمجھوتہ بن کر نہیں رہ جائے گا جس کی وجہ سے ہی ہم مل کر کام کیا کرتے ہیں، بلکہ یہ یکمانیت دوستی کا ایک جرأت۔ انگریز جذبہ ہو گا، جہاں بغیر کسی انعام یا سزا کے جذبے کے ایک ساتھ ہونے اور کام کرنے کی گھری خوشی ہو گی۔ یہ نہایت اہم ہے۔ لیکن یہ جاننا بھی اتنا ہی اہم ہے کہ کب تعاون نہیں کیا جائے، کیونکہ اگر ہم یہ نہیں سمجھتے میں تو ہم ہٹلر کے جیسے ان ظالم، عقل سے عاری اور اولو العزم سیاسی رہنماؤں کو جو ہر زمانے میں ہوتے آئے ہیں، جن کے پاس بڑے بڑے منصوبے اور جادوئی خیالات رہے ہیں، تعاون دیتے رہیں گے۔ اس لیے ہمارے لیے یہ سمجھنا

ضروری ہے کہ ہم کب تعاون نہ دیں، اور یہ ہم اسی وقت جان سکتے ہیں جب ہمیں حقیقی تعاون کی مسرت کا علم ہو گا۔

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کیونکہ جس لمحے آپ کو ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، آپ کا فوراً جواب ہوتا ہے، کس لیے؟ ہم مل کر کون سا کام کریں؟ بے الفا ظاذیگ ہمارے لیے ایک ساتھ ہونے اور کچھ کرنے کے جذبے کے مقابلے کام کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب اس کام کو، اس منصوبے یا اصول یا اس تصوراتی مثال کو ساری اہمیت دے دی جاتی ہے تو حقیقی تعاون بچپا ہی کہاں رہ جاتا ہے؛ تب صرف ایک خیال ہمیں آپس میں باندھ رکھتا ہے اور اگر ایک خیال ہمیں باندھ سکتا ہے تو دوسرا خیال ہمیں الگ بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر تعاون کے اس جذبے کو بیدار کریں، انعام یا سزا کے خیال کے بغیر ایک ساتھ ہونے اور کام کرنے کی گھری خوشی کو محوس کریں۔ بیشتر بچوں میں یہ جذبہ فطری اور آزاد حیثیت سے پایا جاتا ہے، بشرطیہ بڑوں نے اسے تباہ نہ کر دیا ہو۔

سوالی: جب تک فکر پیدا کرنے والی صورت حال ختم ہمیں ہو جاتی، اس وقت تک کیا ہم اپنا من فکر سے آزاد رکھ سکتے ہیں؟

کرشمنورتی: اس صورت میں آپ کو ان تمام باتوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ فکر سے نجات پانے کے لیے آپ اکثر مسائل سے فرار اختیار کرتے ہیں۔ تب آپ مندر یا سینما کی طرف بھاگتے ہیں، کوئی رسالہ پڑھتے ہیں، ریڈیو سنتے ہیں یا تفریح کا کوئی اور طریقہ ڈھونڈتے ہیں۔ لیکن فرار سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب

آپ واپس آتے ہیں تو مسئلہ پھر وہیں موجود ہوتا ہے۔ تو پھر کیوں نہ شروع سے ہی مسئلے کا سامنا کیا جائے؟

فکر ہے کیا؟ آپ اس بات کی فکر کرتے ہیں کہ آپ امتحان میں کامیاب ہوں گے یا نہیں اور آپ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ یہیں آپ ناکام نہ ہو جائیں۔ اس لیے آپ سخت محنت کرتے ہیں اور رات رات بھر باگ کر مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ناکام ہو گئے تو آپ کے والدین مایوس ہوں گے اور اس کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے ’میں نے یہ کر دکھایا، میں نے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس لیے جب تک امتحانات ختم نہیں ہو جاتے اور اس نتیجہ نہیں آ جاتا آپ فکر مندر ہتھے ہیں۔ اب کیا اس صورت حال سے آپ فرار اختیار کر سکتے ہیں، بھاگ سکتے ہیں؟ سچ یہ ہے کہ آپ نہیں بھاگ سکتے۔ اس لیے آپ اس کا سامنا کریں۔ لیکن آپ فکر کرتے ہی کیوں ہیں؟ آپ نے خوب مطالعہ کیا، پوری پوری کوشش کی، اب چاہے آپ پاس ہوتے ہوں یا نہیں ہوتے ہوں۔ آپ جتنی زیادہ فکر کرتے ہیں اتنا ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں، گھبرا جاتے ہیں، آپ کی سوچنے کی وقت کمزور ہوتی جاتی ہے اور جب سچ گی امتحان کی گھٹڑی آتی ہے تو آپ بالکل لکھ ہی نہیں پاتے ہیں، تب آپ صرف گھٹڑی کی جانب دیکھتے رہتے ہیں، جیسا کہ میرے ساتھ ہوا۔

جب ہمارا من بار بار مسلسل کسی مسئلے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے تب ہم اسے فکر کہتے ہیں، کیا ایسا نہیں ہے؟ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس فکر سے کیسے نجات حاصل کی جاسکتی ہے؟ سب سے پہلی اہم بات یہ ہے کہ ہمارا من کسی بھی مسئلے کو اپنی جڑیں جمانے نہ دے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ من کیا ہوتا ہے؟ عظیم فلسفیوں نے من کے مزاج کا تجربہ کرنے میں برسوں صرف کیے ہیں؛ اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ اگر کوئی پورے دھیان سے من کا مشاہدہ کرے، تو وہ بڑی آسانی سے من کو سمجھ سکتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی اپنے من کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہ من کیا ہے؟ آپ نے جواب تک سیکھا ہے، آپ میں جو چھوٹے چھوٹے تجربوں کی یاد داشتیں ہیں، آپ کے ماں باپ اور استادوں نے آپ کو جو کہا ہے، کتابوں میں آپ نے جو پڑھا ہے اور وہ جو آپ نے اپنے چاروں طرف دیکھا ہے، یہی سب ہے آپ کا من۔ یہ آپ کامن ہی ہے جو دیکھتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے، سیکھتا ہے، جو نام نہاداً چھی عادتوں کی پروردش کرتا ہے، جو خیالات کو دوسرے تک پہنچاتا ہے، جو خواہشات رکھتا ہے، خوف زدہ ہوتا۔ یہ اوپری اوپری سطح سے دھائی دینے والا من ہی ہمارا مکمل من نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ گھری پرتوں والا شعور من بھی ہے، جس میں نسلی اولو العزمی، جوش، خواہشیں اور تصادم پوشیدہ ہیں۔ یہ بھی سب ہمارا من ہے جسے ہم شعور کہتے ہیں۔

جس طرح ماں اپنے بچے کی، گھروالی اپنے باورچی خانے کی یا ایک سیاست دال اپنی شہرت یا پارلیامنٹ میں اپنے وقار کی ہر لمحہ فکر کیا کرتا ہے، اسی طرح ہمارا من بھی ہمیشہ کسی نہ کسی چیز میں مصروف رہتا ہے۔ ایسا مصروف من مسائل کو سمجھانے سے قاصر ہے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ صرف غالی من ہی تازگی سے مسئلے کو سمجھ سکتا ہے۔

آپ ذرا اپنے من کا مشاہدہ کریں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ کتنا بے چین رہتا ہے، کس طرح ہر لمحے کسی نہ کسی چیز میں الجھا رہتا ہے، بلکہ کس نے کیا اکھا تھا، ابھی جو

ہوا، یا کل آپ کیا کرنے والے ہیں، اس سب میں۔ یہ ایک لمحہ بھی غالی نہیں رہتا۔ جس کا مطلب من کا رفتار سے عاری ہو جانا یا خلا سے نہیں ہے۔ جب تک من مصروف ہے، بلند سے بلند اور چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں، تب تک یہ محدود ہے، معمولی ہے اور معمولی من مسائل کو سمجھا نہیں سکتا ہے، وہ تو صرف ان میں مصروف رہ سکتا ہے۔ مسئلہ خواہ کتنا ہی ہڑا کیوں نہ ہو! میرا من اس میں مصروف رہ کر خود کو معمولی بنالیتا ہے۔ وہ من جو مصروف نہیں اور اس لیے تازہ ہے، وہ مسئلے کو سمجھ سکتا ہے، اسے حل کر سکتا ہے۔

لیکن من کو مصروف ہونے سے بچنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اگر آپ بھی کیسی ندی کے کنارے یا اپنے کمرے میں سکون سے بیکھیں تو اپنا مشاہدہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اس چھوٹے سے شناساقام میں، جسے آپ من کہتے ہیں، کتنے خیال بھرے ہوئے ہیں اور وہ کتنی تیزی سے آ رہے ہیں۔ جب تک من بھرا ہوا ہے، کسی چیز میں مصروف ہے، یہ بہت ہی چھوٹا اور معمولی ہے۔ پھر بھلے ہی وہ ایک گھروالی کا من ہو یا کسی عظیم سائنس دال کا، ایسا من چاہے جس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے، وہ اسے حل نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف جو من غالی ہے، جسے مہلت ہے، وہی مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے اسے سمجھا سکتا ہے، کیونکہ ایسا من تازہ ہوتا ہے اور وہ مسئلے کو اپنی ہی یادداشتی اور روایات کی قدیم و راثت کے توطیں سے نہیں بلکہ نئے ڈھنگ سے حل کرتا ہے۔

سوالی: ہم اپنے آپ کو کیسے جانیں؟ خودشاسی کیسے ممکن ہے؟ کرشن مورتی: آپ اپنے چہرے کو اس لیے جانتے ہیں، کیونکہ آپ اسے اکثر آئینے میں دیکھتے آتے ہیں۔ لیکن ایک آئینہ اور بھی ہے جس میں آپ اپنے آپ کو مکمل طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ اپنا چہرہ ہی نہیں بلکہ وہ سب جو آپ سوچتے

میں مجوس کرتے ہیں، آپ کے جوش، آپ کی نا آسودہ خواہشات، آپ کے تجسس، آپ کے خوف وغیرہ۔ یہ آئینہ ہمارے تعلقات کا آئینہ ہے۔ آپ کے اور آپ کے والدین کے درمیان کا تعلق، آپ کے اور آپ کے اساتذہ کے درمیان تعلق، ندی، درخت، زمین اور ان کے اور آپ کے درمیان کا تعلق، آپ اور آپ کے خیالات کے درمیان کا تعلق۔ یہ تعلقات ہی وہ آئینتے ہے جس کے توسط سے آپ اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں، اسے نہیں جس کا آپ تصور کرتے ہیں، بلکہ جیسے حقیقت میں آپ ہیں۔ ایک معمولی آئینے میں دیکھتے وقت میں یہ تمباکر سکتا ہوں کہ میرا چہرہ خوب صورت دھائی دے، لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ آئینے میں تو میرا حقیقی چہرہ ہی دھائی دیتا ہے۔ وہاں میں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا ہوں۔ اسی طرح میں اپنے حقیقی شکل کو بھی دوسروں کے ساتھ کے اپنے تعلقات کے آئینے میں دیکھ سکتا ہوں۔ میں یہ دیکھ سکتا ہوں کہ میں کس طرح لوگوں سے باقی کرتا ہوں، ان لوگوں کے ساتھ کتنی زمی سے پیش آتا ہوں جو مجھے کچھ دے سکتے ہیں، اور ان سے بد تہذیبی یا نفرت اور حقارت سے بات کرتا ہوں جو مجھے کچھ نہیں دے سکتے۔ جن سے مجھے ڈر لگتا ہے ان کا میں لکھنا خیال رکھتا ہوں۔ جب کوئی بڑا شخص آ جاتا ہے تو میں کس طرح کھڑا ہو جاتا ہوں، لیکن نوکر کے آنے پر میرا دھیان تک ادھر نہیں جاتا ہے۔ اس لیے تعلقات کے توسط سے خود کا مشاہدہ کرنے سے مجھے پتہ چلتا ہے کہ میں کس طرح جھوٹ موت ہی لوگوں کی عربت کرتا ہوں۔ اسی طرح درختوں اور پرندوں اور خیالات کے ساتھ اپنے تعلقات میں میں خود کو جیسا ہے ویسا ہی دیکھ اور سمجھ سکتا ہوں۔

بھلے ہی آپ دنیا بھر کی ڈگریاں حاصل کر لیں، لیکن اگر آپ اپنے آپ

کو نہیں جانتے تو آپ نہایت احمق انسان ہیں۔ ساری تعلیم کا مقصد ہی اپنے آپ کو پہچاننا ہے۔ آپ بھلے ہی بہت معلومات جمع کر لیں، بہت سالکھ پڑھ لیں، امتحانات پاس کر لیں، لیکن خود کو جانے بغیر یہ سب زندگی کے ناممکنی کے راستے ہیں۔ چاہے آپ بھگو گیتا، اپنند، قرآن یا باقی میں سے اقتباس دے سکتے ہوں، لیکن جب تک آپ اپنے آپ کو نہیں جانتے ہیں، تب تک آپ کی حالت اس طوطے کی طرح ہے جو بار بار وہی الفاظ دھرا یا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر آپ اپنے آپ کو جانتا شروع کر دیتے ہیں، بھلے ہی چھوٹی سی شکل میں کیوں نہ ہو، تب آپ محبوس کریں گے کہ ایک حیرت انگیز تخلیقی عمل شروع ہو چکا ہے۔ تب اچانک آپ کو دھائی دے گا کہ آپ کتنے لالپی، کتنے فادی، کتنے غصے والے اور کتنے حاسد اور ناممکن ہیں۔ حقیقت کو بغیر اسے بدلنے کی کوشش کیے دیکھنا، آپ جو ہیں اسے ٹھیک اسی شکل میں دیکھ پانا ایک حیرت انگیز انکشاف ہے۔ تب آپ زیادہ گھرائی میں داخل ہوتے جائیں گے، کیونکہ خود کو جاننے کی، خودشاہی کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

اسی خودشاہی کے توسط سے آپ یہ جانتا شروع کرتے ہیں کہ خدا کیا ہے، حق کیا ہے، وقت کی صورت حال کیا ہے۔ آپ کے اساتذہ وہ معلومات، جو انہیں اپنے اساتذہ سے حاصل ہوئی، بھلے ہی آپ تک پہنچا دیں، بھلے ہی امتحانات میں آپ کامیابی حاصل کر لیں، ڈگریاں اور بہت کچھ حاصل کر لیں لیکن جب تک آپ اپنے آپ کو ٹھیک کرے۔ اسی طرح نہیں جان لیتے ہیں، جس طرح آپ اپنے پہرے کو آئینے کے توسط سے پوری طرح جان لیتے ہیں، تب تک آپ کے اس علم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پڑھے لکھے لوگ جو خود کو نہیں جانتے وہ سچ مج عقل مند نہیں

یہ۔ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ سوچنا کیا ہے، زندگی کیا ہے۔ اس لیے یہ نہایت اہم ہے کہ اساتذہ خود حقیقت میں تعلیم یافتہ ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے من اور دل کی عمل کو ضرور جانیں، وہ اپنے تعلقات کے آئینے میں دیکھ سکیں کہ اس کی حقیقی شکل کیا ہے۔ خودشانی ہوش مندی کی شروعات ہے۔ خودشانی میں تمام دنیا سما جاتی ہے۔ یہ انسانیت کے تمام تصادمات کو اپنے اندر سما لیتی ہے۔

سوالی: کیا ہم بغیر کسی انسان کی ترغیب کے اپنے آپ کو سمجھ سکتے ہیں؟

کرشن مورتی: اپنے آپ کو جاننے کے لیے کیا کوئی ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو آپ کو ترغیب دے، حوصلہ افزائی کرے، آگے بڑھائے۔ آپ لوگ سوال کو بڑی احتیاط سے سنیں، تھی آپ اس کا صحیح جواب تلاش کر سکیں گے۔ اگر آپ سوال کی پورے طور پر سمجھ لیتے ہیں تو آپ کا نصف مسئلہ تحلیل ہو ہی گیا۔ اگر آپ کامن جواب پانے کی جدی میں ہے، مصروف ہے، تو آپ مسئلے کا پورے طور پر مطالعہ نہیں کر سکتے ہیں۔

سوال ہے، اپنے آپ کو جاننے کے لیے ہم کسی ترغیب کی ضرورت نہیں ہے؟

اب اگر آپ کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے آپ کو کوئی اساتذہ کوئی ترغیب دینے والا ہے جو آپ کو یہ کہہ سکے کہ آپ اچھی طرح آگے بڑھ رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ اس شخص پر منحصر ہوتے جا رہے ہیں۔ اب اگر وہ شخص بھی دور چلا گیا تو آپ کا سب کچھ پلا جاتا ہے۔ جیسے ہی آپ ترغیب کے لیے کسی شخص یا کسی خیال پر اخصار کرتے ہیں، خوف کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس لیے ہم اسے پچھی ترغیب نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ کسی جنازے کو لے جاتے ہوئے دیکھیں، یادوں لوگوں کو جھگٹوا کرتے ہوئے دیکھیں، تو کیا یہ آپ کو کچھ سوچنے پر مجبور نہیں کرتا؟ جب

آپ کسی حد سے زیادہ اولو العزم شخص کو دیکھتے ہیں، یا یہ دیکھتے ہیں کہ آپ بھی کیسے کسی گورنر کے پیروں میں گرفجاتے ہیں، تب کیا یہ آپ کو سوچنے پر مجبور نہیں کرتا؟ اس لیے گرتی ہوئی پتی یا ایک مرے ہوئے پرندے سے لے کر انسان کے خود کے برتابوں کے ہر چیز سے کوئی نہ کوئی ترغیب ملتی ہے۔ اگر آپ ان سب باتوں کا مشاہدہ کریں تو آپ ہر مجھ سیکھ پائیں گے؛ لیکن اگر آپ کسی شخص کو اپنا اساتذہ مان بلیختے ہیں تو پھر آپ کہیں کے نہیں رہیں گے اور وہ آپ کے لیے بھی انک خواب بن جائے گا۔ اسی لیے یہ نہایت اہم ہے کہ آپ کسی بھی شخص کی تقیید نہ کریں، آپ صرف ایک مخصوص اساتذہ سے ہی نہیں سیکھیں بلکہ آپ ندی سے سیکھیں، پھولوں اور درختوں سے سیکھیں، اس عورت سے سیکھیں جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، اپنے خاندان کے لوگوں سے اور اپنے خیالات سے سیکھیں۔ یا ایک ایسی تعلیم ہے جو کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، یہ آپ کو خود سے ہی مل سکتی ہے اور یہی اس کا حسن ہے۔ اس کے لیے مسلسل بیدار رہنے اور تلاش کرنے والے من کی ضرورت ہے۔ آپ کو یہ سب کچھ مشاہدے اور تصادم سے، مسرت اور آنسووں سے سیکھنا ہو گا۔

سوالی: ہمارے اندر اتنے داخلی تضادات ہیں، پھر ہمارا ہونا، اور ہمارا کرنا، دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

کرشن مورتی: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ داخلی تضاد آخر ہے کیا؟ اگر میں زندگی میں کوئی مخصوص کام کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والدین کو بھی خود رکھنا چاہتا ہوں جو مجھ سے دوسرا کام کروانا چاہتے ہیں تو مجھ میں تصادم ہو گا، داخلی تضاد ہو گا؛ اب میں اس سے کیسے نبرداز ماہوس کتا ہوں؟ اگر میں اپنا یہ داخلی تضاد دور نہیں کریتا تو واضح ہے کہ مجھ میں اور میرے کام میں اتحاد نہیں آپا تے گا۔

اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ میں اپنے اندر کے اس تضاد سے نجات حاصل کروں۔ فرض کر لیجئے کہ آپ مصوری کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، اسے سیکھنا چاہتے ہیں یہ کیونکہ یہ کام آپ کی زندگی کو خوشی دے سکتا ہے لیکن آپ کے والد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ آپ کو وکیل یا تاجر بننا ہے، نہیں تو وہ آپ سے اپنا تعلق توڑ لیں گے اور آپ کو پڑھائی کا خرچ نہیں دیں گے، اس صورت میں آپ میں داخلی تضاد پیدا ہوتا ہے، کیا نہیں ہوتا؟ اب آپ اس داخلی تضاد کو کیسے دور کریں گے تاکہ آپ اس کے تصادم اور اس کے درد سے آزاد ہو سکیں؟ جب تک آپ اپنے اندر کے اس تضاد میں جکڑے ہوئے ہیں، آپ بھیک سے سوچ نہیں سکتے؛ تو آپ کو اس داخلی تضاد کو دور کرنا ہی ہو گا۔ آپ کو ایک ہی کام کرنا ہو گا، یہ یا وہ۔ آپ کوں سا کام کریں گے؟ کیا آپ اپنے والد کے سامنے جھک جائیں گے؟ اگر آپ جھک جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے اپنی خوشی سے دست بردار ہو گئے ہیں، آپ نے اس چیز کو اپنالیسا ہے، جس سے آپ کو کوئی لا گوئی نہیں ہے، جسے آپ قطعی پیار نہیں کرتے تو کیا ایسا کرنے سے آپ کا داخلی تضاد ختم ہو جائے گا؟ اس کے عینک اگر آپ اپنے والد کا سامنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں، 'معاف' بھیجیں، میں مصوری کروں گا، اس کے لیے مجھے بھلے ہی بھیک مانگنی پڑے یا بھوکوں مرتا پڑے، تب آپ میں کوئی داخلی تضاد نہیں رہے گا، تب آپ کا ہونا، آپ کا سوچنا اور آپ کا کرنا سب ایک ہوں گے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں اور اسے آپ اپنے پورے دل سے کرتے ہیں۔ لیکن اگر اپنے والد کی بات مان کر آپ وکیل یا تاجر بن جاتے ہیں، جب کہ آپ کا دل اندر ہی اندر مصوری کے لیے سلگ رہا ہے، تو آپ سست اور تھکے ماندے

انسان بننے ریں گے اور تمام زندگی تکیف، ما یو ہی اور درد میں خود کو اور دوسروں کو بھی بر باد کرتے ریں گے۔

آپ کے لیے یہ نہایت اہم سوال ہے جس پر آپ کو سوچنا ہو گا کیونکہ جیسے ہی آپ کچھ بڑے ہو جائیں گے، آپ کے والدین آپ سے کچھ خاص کام ہی کروانا چاہیں گے اور اگر آپ خود اس موضوع میں ایک دماغخ نہیں ہیں کہ آپ سچ مجھ کوں سا کام کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کو بھی اسی طرح سے ہانکا جائے گا جیسے ایک بھیر کو قصائی کے پاس لے جانے کے لیے ہانکا جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ تلاش کر لیتے ہیں کہ آپ کون سا کام محبت سے کرنا چاہتے ہیں اور اسی میں اپنی زندگی لگادیتے ہیں تو آپ میں یہ داخلی تضاد نہیں ہو گا اور اس صورت میں آپ کا ہونا اور آپ کا کرنا دونوں ایک ہوں گے۔

سوالی: کیا اپنے من پرند کام کرنے کے لیے ہم اپنے والدین کے لیے اپنے فرانٹ کو جلا دیں؟

کرشن مورتی: اس سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ آپ اس عجیب لفظ 'فرض' سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کس کے لیے فرض؟ والدین کے لیے فرض، ملک کے لیے فرض، سماج کے لیے فرض؟ اگر آپ کے والدین چاہتے ہیں کہ آپ وکیل بنیں تاکہ آپ بخوبی ان کی خدمت کر سکیں، جب کہ آپ سچ مجھ سنیا سی بننا چاہتے ہیں، تب آپ کیا کریں گے؟ بھارت میں سنیا سی بننا بڑا محفوظ اور معزز کام بھگتا جاتا ہے، اس لیے ہو سکتا ہے آپ کے والد اس کے لیے تیار بھی ہو جائیں۔ سنیا سی کی پوشاک پہن کر ہی آپ عظیم انسان بن جائیں گے اور آپ کے والد اس سے اپنا مفاد پورا کریں گے۔ لیکن اگر آپ اپنے

ہاتھوں سے کام کرنا چاہتے ہیں اور آپ ایک عام بڑھتی یا کمھار بننا چاہتے ہیں تو آپ کافرنس کس کے لیے ہوگا؟ کیا آپ کو کوئی بتا سکتا ہے؟ اس لیے کیا آپ کو خود نہایت احتیاط اور سمجھی پہلووں سے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ آپ کون سا کام محبت سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ یہ کہہ تو سکیں، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے لیے یہی کام صحیح ہے، اور میں اسی کو کرتا رہوں گا، بلکہ ہی میرے والد اس سے اتفاق نہ کریں۔ صرف اسی لیے کسی کام کو نہ کرنا یکونکہ آپ کے والدین اور آپ کا سماج ایسا کرنے کے لیے آپ سے کہتے ہیں، بلکہ سچ مجھ یہ تلاش کرنا کہ فرض میں کیا کیا پوشیدہ ہے۔ پوری وضاحت سے یہ دیکھنا کہ آپ کے لیے سچ کیا ہے اور اس کے لیے تمام زندگی مضبوطی سے کھڑے رہنا، بلکہ ہی اس کے لیے آپ کو بھوکارہنا پڑے، درد اور موت سے مقابلہ کرنا پڑے، یہ کرنے کے لیے کافی ذکاوت، کافی سمجھ اور گھری داخلی نظر کے ساتھ ساتھ بے محبت کی ضرورت ہے۔ دیکھیے، اگر آپ صرف فرض سمجھ کر اپنے ماں باپ کو سہارا دیتے ہیں تو آپ کا یہ سہارا بازار و چیز بن کر رہ جاتا ہے، جس کا کچھ بھی مطلب نہیں ہے، یکونکہ اس میں محبت نہیں ہے۔

سوالی: میں چاہے جتنا چاہوں کہ میں انجنیئر بنوں، لیکن اگر میرے والد اس کام کے خلاف ہیں اور وہ مجھے مدد نہیں دیتے ہیں تو میں انجنیئرنگ کی پڑھائی کیسے کر سکوں گا؟

کرشمنوری: آپ کے والد چاہے آپ کو گھر سے نکال بھی دیں، پھر بھی آپ انجنیئرنگ پر اٹل ہیں تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ انجنیئرنگ کی پڑھائی کرنے کا کوئی طریقہ بھی راستہ نہیں ڈھونڈ پائیں گے؟ تب آپ مدد کے لیے ہاتھ پھیلائیں گے، دوستوں کے پاس جائیں گے۔ محترم زندگی بہت ہی پر اسرار

ہے۔ جس لمحے آپ اس کے بارے میں ایک دم و اخراج ہوتے ہیں کہ آپ سچ مجھ کیا کرنا چاہتے ہیں، تو کچھ ضرور واقع ہوتا ہے۔ اس وقت زندگی آپ کی مدد کے لیے آ جاتی ہے۔ کوئی دوست، کوئی رشتہ دار، کوئی اتنا داد، آپ کی دادی ماں یا کوئی نہ کوئی آپ کی مدد کے لیے سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنے والد کے ڈر سے کہیں وہ آپ کو گھر سے نکال دیں، کو شش ہی نہیں کرتے تو آپ کہیں کے نہیں رہتے یہیں۔ زندگی ان لوگوں کی مدد کے لیے بھی سامنے نہیں آتی جو صرف خوف کی وجہ سے دوسروں کا بات مان لیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں، میں یہ کام سچ مجھ کرنا چاہتا ہوں اور میں یہی کروں گا، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کچھ حیرت انگیز واقع ہو رہا ہے۔ بلکہ ہی آپ کو اس کے لیے بھوکارہنا پڑے، جدوجہد کرنی پڑے، لیکن آپ ایک سچے انسان ہوں گے، کسی کی نقل مغض نہیں، اور یہی زندگی کی خوبصورتی ہے۔

ہم میں سے بیشتر لوگ اکیلے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ یہ غاص طور پر آپ جیسے نوجوانوں کے لیے نہایت مشکل ہے یکونکہ اس ملک میں امر یکہ اور یورپ کی طرح معاشی آزادی نہیں ہے۔ یہاں اتنی آبادی ہے کہ ہر شخص ہارمان لیتا ہے۔ آپ کہتے ہیں، میرا کیسا ہو گا؟، لیکن اگر آپ اٹل رہتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ کوئی نہ کوئی آپ کی مدد کے لیے آ جاتا ہے۔ جب آپ حقیقت میں سماج کی راجح مانگ کے خلاف اکیلے کھڑے ہو جاتے ہیں تو آپ سچ مجھ ایک شخص ہوتے ہیں اور زندگی آپ کی مدد کے لیے آ جاتی ہے۔

آپ جانتے ہیں باتیات میں ایک حیرت ناک واقعہ ہوتا ہے، جسے اسپورٹ کہتے ہیں، جو اپنی قسم سے یکسر مختلف ہوتا ہے اور یہاں ایک اپنے آپ

پھوٹتا ہے۔ اگر آپ کا باغیچہ ہوا اور اس میں آپ نے ایک خاص قسم کے پھول لکھے ہوں تو کسی صحیح آپ کو دکھائی دے سکتا ہے کہ اس قسم میں سے ایک بالکل ہی نئی اور مختلف چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس نئی چیز کو اپسورٹ، کہا جاتا ہے۔ کچھ نیا ہونے کی وجہ سے وہ الگ دکھائی پڑتا ہے اور مالی اس میں خاص دلچسپی لیتا ہے۔ ہماری زندگی بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ جس لمحہ آپ ہمت کرتے ہیں، اسی لمحے آپ میں اور آپ کے آس پاس واقع ہونے لگتا ہے۔ زندگی بے شمار راستوں سے آپ کی مدد کے لیے آگے بڑھتی ہے۔ جس شکل میں یہ آپ کے سامنے آتی ہے، اسے بھلے ہی نالپند کریں، ہو سکتا ہے یہ درد، جدو، بہد اور بھوک کی شکل میں آپ کے سامنے آتے، لیکن جب آپ زندگی کو مدعو کرتے ہیں تو چیزیں واقع ہونا شروع ہوتی ہیں۔ لیکن ہم زندگی کو مدعو ہی نہیں کرنا چاہتے، ہم تو خود کو بھاگتے ہوئے، محفوظ ہو کر کھیلتا چاہتے ہیں؛ اور جو محفوظ ہو کر کھیلتے ہیں، اسی حفاظت میں مربھی جاتے ہیں، کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

من کی تجدید

گذشتہ ایک صحیح میں نے ایک انسانی لاش دیکھی جو تمثیل پر جلانے کے لیے لے جائی جا رہی تھی۔ اس پر سرخ رنگ کا چمک دار کپڑا پیٹا ہوا تھا اور چار انسان اسے ایک لے کے ساتھ لے جا رہے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ انسانی لاش کا کسی شخص پر کس طرح کا اثر پڑتا ہو گا۔ کیا آپ اس بات کو بھی نہیں سوچتے کہ جسم میں یہ تخفیف کیوں ہوتی ہے؟ آپ ایک نئی کارخیریتے ہیں اور وہ کچھ ہی سالوں میں گھس جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے جسم میں بھی تخفیف ہوتی ہے۔ لیکن اس کے آگے کیا آپ یہ تلاش نہیں کرتے کہ من کی تخفیف کیوں ہوتی ہے؟ کبھی نہ کبھی تو جسم کو مرنا ہے ہی لیکن ہم میں سے بیشتر لوگوں کے من پہلے سے ہی مردہ ہونے لگ جاتے ہیں۔ پہلے سے ہی ان کے من کی تخفیف شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ من کی قبل از وقت تخفیف کیوں ہوتی ہے؟ ہمارا جسم تو اس لیے خراب ہوتا ہے کہ اس کا مسلسل استعمال ہوتا ہے، اس سے اس کی مادی شکل میں کمی آ سکتی ہے۔ بیماری، حادثات، بڑھاپا، خراب غذا، کمزور خاندان تسلسل، ان سبھی اسباب کی بنا پر ہمارے جسم کی تخفیف اور اس کی موت ہوتی ہے لیکن ہمارے من کی تخفیف کیوں ہو، کیوں یہ بوڑھا، بھاری اور

ست ہو؟

ایک انسانی لاش کو دیکھ کر کیا آپ کو بھی جیرت نہیں ہوئی؟ ہمارے جسم کو، یقینی ہے کہ، موت تو آنی ہی ہے، لیکن ہمارا یہ من کیوں کمزور ہوتا ہے؟ کیا بھی یہ سوال آپ کے من میں اٹھا ہے؟ من حقیقتاً کمزور ہوتا ہے، ایسا ہم صرف بوڑھے لوگوں میں ہی نہیں جوانوں میں بھی دیکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نوجوانوں کے من پہلے سے ست، بھاری، بے حس ہونے لگتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ کھو ج کر سکیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو ممکن ہے ہم کسی ایسے جو کی ایجاد کر سکیں گے جو سچ مج زندہ جاوید ہے۔ تب ہم یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ زندگی کا تسلسل آخر ہے کیا۔ ایک ایسی زندگی جو لامحدود ہے، زمان و مکال سے پرے ہے اور جس میں کوئی کشافت پیدا نہیں ہو سکتی اور جو اس جسم کی طرح تباہ نہیں ہوتی جسے شمشان میں لے جایا جاتا ہے، جلا جاتا ہے اور جس کی استھیاں ندی میں بہادی جاتی ہیں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ من کیوں کمزور ہوتا ہے۔ کیا اس موضوع پر آپ نے بھی غور کیا ہے؟ چونکہ آپ ابھی بہت چھوٹے ہیں اس لیے اگر آپ اپنے والدین، اپنے سماج اور اپنے ماحول کے ذریعے پہلے ہی کمزور نہیں بنادیے گئے ہیں؟ آپ کا من ایک دم تازہ، متحمس، ممتلائی ہے۔ آپ جاننا چاہتے ہیں کہ ستارے کیوں ہیں؟ پرندے مرتے کیوں ہیں؟ پتیاں گرتی کیوں ہیں؟ ہوائی جہاز اڑتے کیسے ہیں؟ آپ کتنی ہی باتیں جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کی تحقیق کرنے کی، تلاش کرنے کی یہ وقت سلب کر دی جاتی ہے۔ اس کا سبب خوف، روایات کے شکنخ اور یہ باور کرا کے کہ اس کائنات کو سمجھتا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے بھی محسوس کیا ہے کہ کتنی سرعت سے آپ کے تھس کو کسی تکھے طنز یہ لفظ کے

ذریعے، کسی خراب برتابوں کے ذریعے، امتحان کے خوف سے یا والدین کی دھمکیوں سے زائل کر دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری حیثیت پہلے ہی نہیں الوداع کہہ چکی ہے اور نتیجتاً ہمارا من کمزور ہو چکا ہے۔

ہمارے من کے کمزور پڑھ جانے کا دوسرا سبب ہے تقليد۔ روایات آپ کو تقليد کرنا سمجھاتی ہیں۔ ماضی کا بوجھ آپ کو تقليد کرنے کو اسکاتا ہے۔ اور پھر آپ روایات کی ڈور پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس تقليد کے توسط سے آپ کامن کچھ بے فکری اور تحفظ محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے حین دائرے میں محصور کر لیتا ہے جو آرام دہ ہے۔ جہاں خوف اور شک و شبہ نہیں ہے۔ تاکہ وہ بڑے آرام سے اس دائرے میں چکر لانا سکے۔ اگر آپ اپنے چاروں طرف ادھیر انسانوں کو دیکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کامن پر یاثان نہیں ہونا چاہتا ہے۔ وہ ہر قیمت پر سکون چاہتے ہیں۔ بھلے ہی یہ سکون موت کا سکون ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقی سکون اس سے بالکل الگ چیز ہے۔

جب آپ کامن اپنے آپ کو کسی دائرے میں یا کسی ڈھانچے میں مقیم سمجھ لیتا ہے تو آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ اس کی ہمیشہ یہی خواہش بنی رہتی ہے کہ وہ محفوظ رہے۔ اسی لیے وہ کسی مثال، کسی طرز فکر یا کسی گروکی رہنمائی قبول کر لیتا ہے۔ چونکہ وہ بے فکر اور محفوظ رہنا چاہتا ہے اس لیے تقليد ہی میں اسے عافیت نظر آنے لگتی ہے۔ جب آپ اپنی تاریخ کی کتابوں میں بڑے بڑے رہنماؤں، سادھو سنتوں اور بہادروں کے بارے میں پڑھتے ہیں تو کیا آپ کی خود کی یہ تمنا نہیں ہوتی ہے کہ آپ بھی ان کی طرح نہیں؟ میرا یہ کہنا نہیں ہے کہ دنیا میں عظیم شخص ہی نہیں ہوے یہیں لیکن ہم میں عظیم انسانوں کی تقليد کرنے اور جیسا بننے کی بنیادی عادت ہے اور یہ

تقلید ہمارے من کی کمزوری کا بنیادی سبب ہے کیونکہ اس سے ہمارا من ایک مخصوص شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ایک بات اور بھی ہے۔ سماج ان لوگوں کو نہیں چاہتا جو بیدار ہیں، تیز عقل کے ہیں، انقلابی ہیں کیونکہ ایسے لوگ سماجی ڈھانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنا نہیں چاہتے، بلکہ اسے توڑنا چاہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سماج آپ کے من کو ان ڈھانچوں میں باندھ رکھنا چاہتا ہے اور آپ کی یہ نہاد تعلیم آپ کو تقلید کرنے، پیچھے چلنے اور مان لینے کے لیے حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا یہ من تقلید سے باز آسکتا ہے؟ بالفاظ دیگر کیا یہ من اپنی عادتیں ترک کر سکتا ہے؟ اگر من نے پہلے ہی سے عادتیں بنا رکھی ہیں تو کیا ان سے وہنجات حاصل کر سکتا ہے؟

یہ من خود ہی عادتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ روایات کے درخت کا چھل ہے۔ وقت کا چھل ہے۔ وہ وقت جس میں دھرانے کا عمل ہے، ماننی کی برتری ہے۔ کیا یہ من، آپ کا من، 'جو ہو چکا ہے' اور 'جو ہو گا' کے حساب سے سوچنا بند کر سکتا ہے؟ 'جو ہو گا' تو حقیقت میں 'جو ہو چکا ہے' کا عکس بھر ہی ہے۔ کیا آپ کامن عادتوں سے اور نئی عادتوں کو بنانے سے آزاد ہو سکتا ہے؟ اگر آپ اس مسئلے میں گھرے اتریں گے تو آپ کو محروس ہوتا کہ ممکن ہے۔ اور اس طرح جب آپ کامن خود کو دوبارہ بیا کر لیتا ہے، جب وہ نئے ڈھانچے اور نئی عادتیں بنانا بند کر دیتا ہے، جب وہ دوبارہ تقلید کے گھیرے میں پھنسنا بند کر دیتا ہے تو آپ کامن ایک دم تازہ، جوان اور معصوم ہو جاتا ہے؛ اس لیے وہ لامددار اک کے قابل بن جاتا ہے۔

اس طرح کے من کے لیے موت ہے ہی نہیں، کیونکہ تب چیزوں کے جمع

کرنے کا عمل ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ذخیرہ کرنے کا عمل ہی ہے جو عادتوں اور تقلید کی تعمیر کرتا ہے۔ اور ایسا ذخیرہ کرنے والا من ہی خرابی سے ہم کنار ہوتا ہے اور بالآخر موت اس کا مقدر ہے۔ لیکن وہ من جو ذخیرہ نہیں کر رہا ہوتا ہے، جو بُوٹھیں رہا ہوتا ہے، جو روزانہ ہر لمحے تقسیم ہو رہا ہوتا ہے موت کی پہنچ سے باہر ہوتا ہے۔ یہ لامدد غافلی پن تعطل کی حالت میں ہوتا ہے۔

اس لیے من کو اپنے ذریعے ذخیرہ کی گئی تمام اشیا کے ساتھ مرنا ہو گا۔ تمام مثالیت کے لیے، تقلید سے ملنے والے تمام آرام کے لیے، ان تمام چیزوں کے لیے جو اس کے تحفظ کی ضمانت بنی ہوئی ہیں، تو ہمارا من خود ساختہ خیالات کے زخم میں نہیں پھنسنے گا۔ من جب بنتے والے ہر لمحے کے ساتھ مرتاجاتا ہے تو اس میں تازگی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ وہ کبھی بر باد نہیں ہوتا اور اپنی روشنی میں کسی تاریکی کو جگہ نہیں دے گا۔

سوالی: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے ہمکس طرح عمل میں لائیں؟
کرشن مورتی: جب آپ کوئی بات سنتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ وہ صحیح ہے تو آپ روزمرہ کی زندگی میں اس کا استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے سوچنے اور آپ کے کرنے میں فاصلہ ہے۔ آپ سوچ رہے ہیں ایک بات، اور کر رہے ہیں دوسری بات۔ چونکہ آپ جو سوچ رہے ہیں اسے عادت میں لانا چاہتے ہیں اس لیے آپ کے کام اور فکر میں فاصلہ ہے اور تب آپ سوال کرتے ہیں، 'ہم یہ فاصلہ کیسے مٹائیں؟ کیسے ہم اپنے خیالات کو اپنے عمل سے وابستہ کریں؟'

جب آپ سچ مجھ کوئی کام کرنا ہی چاہتے ہیں تو آپ اسے کری لیتے ہیں، کیا نہیں کر لیتے؟ جب آپ کر کر کھیلتا یا دوسرا کوئی کام جس میں آپ صحیح معنی

میں دلچسپی رکھتے ہیں، کرنا چاہتے ہیں تو آپ اسے کرنے کے طریقوں کی تلاش کر رہی لیتے ہیں۔ تب آپ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ میں یہ کام کیسے کروں؟ آپ اسے کر لیتے ہیں کیونکہ آپ اس میں تحسیں رکھتے ہیں، کیونکہ آپ کا پورا وجود، آپ کا پورا من اور دل اس میں ہے۔

لیکن آپ دوسری باتوں میں بڑے ہوشیار ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ سوچ رہے ہیں ایک بات اور کہہ رہے ہیں دوسری بات۔ آپ کہہ رہے ہیں، علمی نقطہ نظر سے تو یہ خیال بہت ہی خوب صورت ہے، میں انھیں مانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ ان کے بارے میں کیا کروں؟ اس لیے مہربانی کر کے آپ ہی بتائیں کہ میں ان پر کیسے عمل کروں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عمل کرنایی نہیں چاہتے۔ آپ سچ مجھ کام کو ملتی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ حاصل یا اور کچھ بننے رہنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ کہہ کر، جب ہر شخص ہی حاصل ہے تو میں حاصل کیوں نہ رہوں، دوبارہ اسی راستے پر چلنَا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسکے اگرآپ سچ مجھ حاصل نہیں رہنا چاہتے ہیں، اگر حسد کے سچ کو آپ اسی طرح واضح طور پر محسوس کرتے ہیں جیسے کہ ایک کو براسانپ کو تو آپ حاصل نہیں رہ جاتے ہیں؛ تب آپ یہ نہیں پوچھتے کہ حسد سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس لیے اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کسی چیز کی سچائی کو محسوس کریں۔ یہ نہ پوچھیں کہ میں اسے کیسے عمل میں لاوں، جس کا مطلب ہی یہی ہے کہ آپ اس کی سچائی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ جب آپ راستے میں کو براسانپ دیکھتے ہیں تو آپ یہ نہیں پوچھتے کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ آپ اچھی طرح کو برائے نزدیک جانے کا خطرہ جانتے ہیں اور اس سے دور رہتے ہیں۔ لیکن آپ نے تو بھی حسد کی تمام نتائج کا تجزیہ

ہی نہیں کیا ہے۔ کسی شخص نے بھی اس کے بارے میں آپ سے گفتگو نہیں کی ہے، کوئی آپ کے ساتھ اب تک اس کی گہرائی میں نہیں اترا ہے۔ آپ کو تو صرف یہ کہا گیا ہے، آپ حاصل بالکل نہ ہوں۔ لیکن آپ نے خود بھی حسد کی شکل کا تجزیہ نہیں کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ کس طرح یہ سماج اور یہ تمام منظم مذاہب اسی حسد پر، اس کچھ بننے کی خواہش پر، مرکوز ہیں۔ جیسے ہی آپ حسد کی گہرائی سے دیکھتے ہیں اور اس کی سچائی محسوس کرتے ہیں، حسد بکھر جاتا ہے۔

یہ پوچھنا کہ، میں یہ کیسے کروں؟ احمد قائد ہے کیونکہ اگر آپ سچ مجھ کسی کام میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اسے کرنا نہ بھی جانتے ہوں تو بھی آپ جلد ہی اس کام کو سمجھنا اور اس کے بارے میں تفتیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ چپ بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں، مہربانی کر کے مجھے اس لائق سے نجات دلانے کا کوئی قابل عمل راستہ بتائیں، تو آپ ہمیشہ لالجی بنے ہی رہیں گے۔ اس کے برخلاف اگر آپ بیدار میں سے تعصباً سے عاری رہتے ہوے اس لائق کی گہرائی سے جانچ پر کھ کرتے ہیں، خود کو پورے طور پر اس میں لگادیتے ہیں تو آپ اپنے لیے لائق کی حقیقت کیا ہے، یہ تلاش کر لیں گے۔ آزاد ہونے کے راستوں کی تلاش کے بارے میں سوچتے رہنے سے آپ آزاد نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ سچائی خود آپ کو آزاد کرتی ہے۔

سوالی: ہماری خواہشات بھی پوری کیوں نہیں ہوتی ہیں؟ جب جب ہم اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہیں تب تب اسے روکنے کے لیے رکاوٹیں کیوں کھڑی ہو جاتی ہیں؟

کرشن مورتی: اگر آپ میں کسی کام کو کرنے کی شدید خواہش ہے اور بغیر کسی نتیجے کی پرواہ کیے، بغیر کسی خوف کے آپ اپنی پوری صلاحیت سے اس کام میں لگ جاتے

یہ تو وہاں رکاوٹ نہیں آ سکتی۔ یہ رکاوٹ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب آپ کی خواہش میں صداقت نہ ہو۔ جب آپ کسی کام کو کرنا چاہر ہے میں اور ساتھ ہی اسے کرنے میں خوف زدہ بھی ہو رہے ہیں یا آپ کا آدھامن کوئی دوسرا ہی کام کرنا چاہر ہا ہے۔ اس کے علاوہ کیا آپ بھی اپنی خواہشات کو ممکن طور پر پورا کر سکتے ہیں؟ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟ میں اسے اور وضاحت سے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ਸماج، جو انسان انسان کے درمیان اجتماعی تعلقات کا دوسرا نام ہے، یہ نہیں چاہتا ہے کہ آپ مضبوط وقت ارادی کے ساتھ کوئی خواہش کریں۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ سماج کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔ آپ کو چھوٹ دی جاتی ہے کہ آپ حد جیسی خواہشات رکھیں کیونکہ یہ سب بالواسطہ طور پر اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ سماج ان حادیں اور ناجائز طریقے سے آگے بڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کے ذریعے ہی بنا ہوا ہے، جو عقیدت رکھتے ہیں، تقلید کرتے ہیں، روایات کی پیروی کرتے ہیں، اس لیے سماج نے حد، ناجائز خواہشات اور تقید کو منظوری دے رکھی ہے۔ اگرچہ یہ سب خوف کے عالم ہیں۔ جب تک آپ سماج کے ڈھانچے کے مطابق یہیں تک آپ ایک عزت دار شہری تصور کیے جاتے ہیں لیکن جس لمحے آپ مضبوط وقت ارادی کے ساتھ ایسی خواہش رکھتے ہیں جو سماج میں اقلیت میں ہے تو آپ سماج کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے سماج ہمیشہ اس بات کی خبر رکھتا ہے کہ کہیں آپ کے اندر ایسی کوئی خواہش پرورش تو نہیں پار ہی جو سماج کے لیے مضر ہو۔ ایسی خواہش نئی روشنی لائے گی اور اسی لیے یہ انقلابی ہوگی۔

‘ہونے کا عمل’، ‘بننے کے عمل’ سے یکسر مختلف ہے۔ صرف ہونے کا عمل اتنا انقلابی ہے کہ سماج اسے نامنظور کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنا تعلق کچھ بننے کے عمل

سے رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے حاب سے باعثت اور موافق ہے۔ اور کوئی بھی خواہش جو اپنے آپ کو کچھ بننے کے عمل کی شکل میں ظاہر کرتی ہے، ہمیشہ ناممکن رہتی ہے کیونکہ یہ ناجائز پیش قدمی کا ہی دوسرا ووپ ہے۔ ایسی خواہش ضرور بھی نہ بکھی شکست ہو گی، روک دی جاتے گی اور مالیوی کا سبب بننے گی اور پھر ہم بے شمار پر یثاث کن راستوں سے اس کے غلاف بغاوت کریں گے۔

گھر اُنی سے غور و فکر کرنے کے لیے یہ بہت اہم موضوع ہے کیونکہ جب آپ بڑے ہوں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کی خواہشات بھی پوری نہیں ہوتی ہیں۔ خواہش کی تکمیل میں ہمیشہ مالیوی کا سایہ رہتا ہے اور آپ کے دل میں ہمیشہ ایک ٹیکنیکی تکمیل میں بنتے ہیں۔ اس کچھ بننے کی خواہش کا، کوئی عظیم رشی یا کسی دوسرا شکل میں بنی رہتی ہے۔ اس کچھ بننے کی خواہش کا، کوئی عظیم رشی یا کسی دوسرا شکل میں عظیم بننے کی خواہش کا کوئی سر انہیں ہے اور اسی لیے اس کی تکمیل بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کا مطالبہ ہمیشہ اور زیادہ کے لیے رہتا ہے۔ اور دنیا میں مسلسل اذیت، درد اور جنگوں کو جسم دیتا ہے۔ لیکن جب کوئی کچھ بننے کی بھی خواہشات سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہاں بس ہونے کی صورت رہتی ہے جس کا عمل ایک دم مختلف طریقے کا ہوتا ہے۔ یہ کافی ہے۔ جو ہے وہ وقت سے پردے ہے۔ تب مطمئن ہونے کا خیال ہی منتشر ہو جاتا ہے۔ اس کا ہونا ہی اپنے آپ میں تکمیل بخش ہے۔

سوالی: میں جانتا ہوں کہ میں ذین ہیں ہوں لیکن دوسرا مجھے ذین کہتے ہیں۔ اب مجھ پر کس کا اثر زیادہ پڑتا چاہیے۔ میرے دلختنے کا یاد و سروں کے کہنے کا؟ کرشن مورتی: آپ اس سوال کو بڑی احتیاط سے، بڑے سکون سے سنیں، جواب کی تلاش کی کوشش نہ کریں۔ اگر آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں ذین انسان ہوں، جب کہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ میں نہیں ہوں، ایسی صورت میں کیا آپ کا قول مجھے

متاثر کرے گا؟ ہوں، جب میں خود کو ذہین بنانے کی کوشش میں لگا ہوں تو ضرور آپ کا قول مجھے متاثر کرے گا۔ کیا نہیں کرے گا؟ تب آپ کے قول سے میری تعریف ہوگی، میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہوں گا۔ لیکن اگر میں یہ محسوس کروں کہ ذہین بننے کی کوشش سے انسان کی حماقت بھی ختم نہیں ہو سکتی تو آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

اگر میں احق ہوں اور عقل مند بننے کی کوشش کروں تو بھی میں یقینی طور پر احق ہی بتا رہوں گا۔ کیونکہ کچھ بننے کے لیے کوشش کرتے رہنا ایک طرح کا احمقانہ فعل ہی تو ہے۔ ایک احق شخص بھلے ہی ہوشیاری کے زیورات سے خود کو سب سوار لے، بھلے ہی وہ کچھ امتحانات میں کامیابی حاصل کر لے یا اسے ملازمت مل جائے لیکن پھر بھی اس کی حماقت بندی رہے گی۔ مہربانی کر کے آپ میری اس بات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ باتیں میں کسی کی برائی کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن جس لمحے کوئی شخص اپنی یوقوفی، اپنی حماقت کے بارے میں بیدار ہو جاتا ہے تو وہ عقل مند بننے کے لیے کوشش کرنے کے بجائے اپنی حماقوں کو سمجھنا، اس کا نتیجہ یہ کرنا شروع کر دیتا ہے، اسی لمحے اس کے اندر عقل کی ختم ریزی ہو جاتی ہے۔

لاچ کوہی یجھے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ لاچ کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے، ضرورت سے زیادہ کھانا کھانا، کھیلوں میں دوسروں سے آگے گے بڑھنے کی خواہش رکھنا، زیادہ دولت کی تمنا کرنا، دوسرا کے مقابلے بڑی کار کے لیے پریشان رہنا۔ پھر آپ خود سے کہتے ہیں کہ آپ قطعی لاچ نہ کریں۔ چنانچہ آپ فیاض بننے کے لیے کوشش کرتے ہیں جو سچ مجھ احمقانہ ہے۔ کیونکہ فیاض بننے کی سعی سے لاچ بکھی ختم نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر آپ اس لاچ کی اور اس سے متعلق تمام خرڅوں کو سمجھ

لیں، اگر آپ اپنا پورا من اور اپنا پورا دل اس کے سچ کی کھوج میں لگا دیں تو آپ لاچ اور اس کے اثر سے سچ جائیں گے۔ اس وقت آپ سچ مجھ ایک عقل مند انسان ہوں گے کیونکہ تب آپ بُجہیں اسے سمجھ رہے ہیں، بُجو ہونا چاہیے اسے نہیں۔

اس لیے اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کمزور دماغ رکھتے ہیں تو عقل مند یا ہوشیار بننے کی مشق نہ کریں۔ بلکہ آپ اپنی اس کمزوری کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ تقیید، خوف، کسی کی دیکھا دیکھی کچھ کرنا، کسی مثال کی پیروی یا سب کمزور دماغ کو مزید کمزور کرتے ہیں۔ دماغ کو اور سست بنا دیتے ہیں۔ جب آپ تقیید کرنا بند کر دیتے ہیں، جب آپ میں خوف نہیں ہوتا، جب آپ اپنے آپ سے واضح طور پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت سے مزین ہیں تو کیا آپ عقل مند انسان نہیں ہیں؟ لیکن اگر آپ واقعی کمزور ہیں اور ہوشیار بننے کے لیے وشاں ہیں تو آپ کی لگنی بھی ان لوگوں میں ہو گی جو ہوشیار ہوتے ہوئے بھی احق ہیں۔

سوالی: ہم شراری کیوں ہیں؟

کرشن مورتی: جس وقت آپ سچ مجھ شرارت کرنے والے ہوتے ہیں اس وقت اگر آپ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھیں تو یہ بہت اہم ہو گا۔ مثال کے طور پر جب آپ غصہ ہوتے ہیں تو آپ اپنے آپ سے یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ آپ غصہ کیوں ہیں، کیا آپ پوچھتے ہیں؟ آپ ہمیشہ یہ سوال بعد میں پوچھتے ہیں۔ غصہ ہونے کے بعد آپ کہتے ہیں، میں کتنا احق ہوں، مجھے غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس برخلاف اگر آپ غصے کی صورت میں بیدار ہیں، سوچ رہے ہیں، اسے برائیں کہہ رہے ہیں، اگر آپ اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ غصے کے سامنے ہیں اور تہ و بالا ہوتے ہوئے اپنے من کو دیکھ رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ غصہ کتنی سرعت سے غائب ہو رہا ہے۔

ایک عمر تک بچے شرارتی ہوتے ہی میں اور انھیں ہونا بھی چاہیے، یونکہ وہ اس وقت جوش، زندگی اور حوصلے سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ جوش کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ لیکن غور کیجیے کہ حقیقت میں یہ سوال بڑا پیچیدہ ہے، یونکہ غلط خور و نوش، نیزد کی کمی، عدم تحفظ کا احساس بھی شرارت کے اسباب ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ سارے اسباب اچھی طرح نہیں بھجیے جاتے میں تو شرارت بچے کے لیے سماج کے گھیرے کے اندر کی بغاوت کا روپ لے لے گی جس میں ان کے لیے کسی طرح کی نجات نہیں ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ غلط راستے پر جانے والے بچے کون ہوتے ہیں؟ یہ وہی بچے ہوتے ہیں جو سب طرح کے غلط کام کرتے ہیں؛ وہ سماج کے قید خانے کے گھیرے میں بغاوت کرتے ہیں، یونکہ انھیں کبھی زندگی کے مسائل کو سمجھنے میں مدد نہیں دی گئی ہے۔ وہ نہایت بیدار ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ غیر معمولی طور پر عقل مند ہوتے ہیں اس ان کی بغاوت جیسے یہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ سمجھنے میں ان مجبوریوں اور خطرناک روایات کو منتشر کرنے میں ہماری مدد کریں اس لیے یہ سوال اتنا دکے لیے نہایت اہم ہے جس کو تعلیم کی بچوں سے زیادہ ضرورت ہے۔

سوالی: مجھے چاہے پینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ میرے ایک اتنا دے بری عادت کہتے ہیں لیکن دوسرے اساتذہ کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کسے ٹھیک کھوں؟

کرشن مورتی: آپ خود اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ آپ کچھ لمحوں کے لیے دوسروں کے خیالات کو ایک طرف رکھ دیں اور پھر سوال کو سمجھیں، یونکہ دوسروں کے خیالات تعصب سے پر ہو سکتے ہیں۔ آپ ایسے کسی چھوٹے بچے کے

بارے میں کیا سوچتے ہیں جسے ابھی سے کسی چیز کی عادت پڑ چکی ہو۔ وہ عادت چاہتے پینے کی ہو، لیکر یہ پینے کی ہو، کھانے میں سبقت لے جانے کی ہو یا اور کچھ ہو۔ ہاں، اگر آپ ستریا اسی سال کے ہو گئے تو یہ کہنا ٹھیک بھی ہے کہ آپ کسی عادت کے غلام بن چکے ہیں یونکہ تب آپ کا ایک پیر پہلے سے ہی قبر میں پہنچ گیا ہوتا ہے۔ لیکن آپ تو ابھی ابھی اپنی زندگی شروع کر رہے ہیں اور ابھی سے ہی اگر آپ کو کسی چیز کی عادت پڑ جاتی ہے تو یہ بڑی خراب بات ہے۔ ہے نا؟ یہ سوال اہم ہے، یہ نہیں کہ آپ چاہے پہنیں یا نہیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ جب آپ کو کسی چیز کی عادت پڑ جاتی ہے تو آپ کامن قبر گاہ کے راستے کی طرف بڑھ جکا ہوتا ہے۔ اگر آپ سوچنے لگتے ہیں تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آپ کامن ابھی سے ڈھلان پر ہے، اس کی بر بادی ہو رہی ہے۔ لیکن اگر آپ کا من محظاٹ ہے اور یہ تفتیش کر رہا ہے کہ آپ کیوں کسی خاص عادت میں جگڑ جاتے ہیں، کیوں کسی خاص طریقے سے ہی سوچتے ہیں، تب آپ کو اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ لیکر یا چاہے کا استعمال آپ کریں یا نہ کریں۔